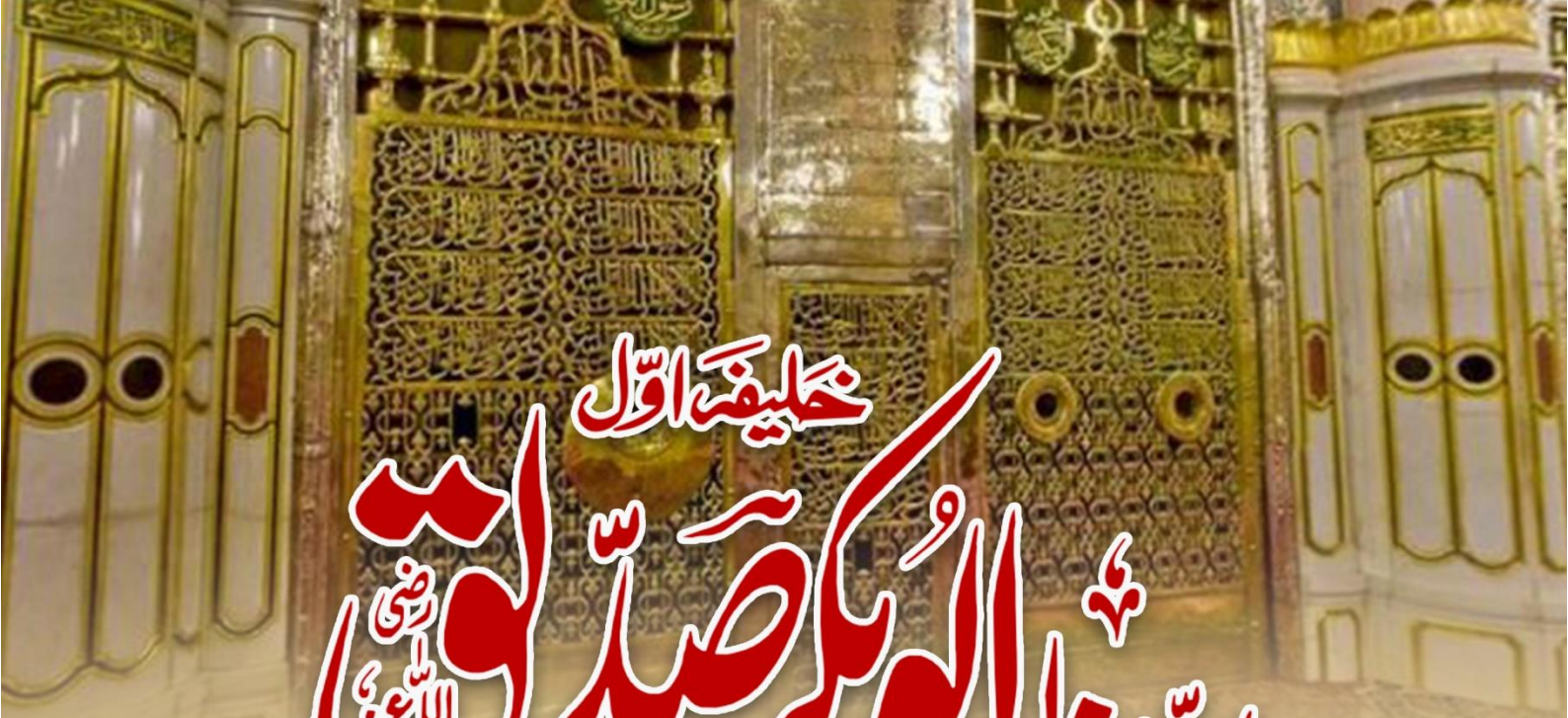

خلیفہ اوّل

سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ

تعارف، فضائل اور عظیم کارنامے

مقالہ نگار

عمر فاروق صفوری

شریک کلیۃ الفنون جامعۃ الحسن ساہیوال 2022

فاضل مدرسہ عربیہ مدنیہ مائی صفورہ 2021

نگران اعلیٰ

مفتی ساجد الرحیم صاحب دامت برکاتہم العالیہ

نگران مقالہ

مولانا عبد الماجد عارفی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

انتساب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن والصلاۃُ والسلامُ علیٰ سیّدِ الانبیاءِ والمرسلین

زیر نظر مقالہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعارف، فضائل اور عظیم کارناموں سے متعلق مختصر سی کاوش ہے۔ میں اپنے اس مقالہ کو اپنے مشفق والدین کے نام کرتا ہوں، جن کی مخلصانہ جدوجہد، نیک تمناؤں اور آرزوؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کی توفیق دی۔ اللہ پاک ان کو دین و دنیا کی خوشیاں نصیب فرمائے اور ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔ آمین

نیز مادر علمی مدرسہ عربیہ مدنیہ مائی صفورہ، جس کے آغوش تربیت میں تحریر کے نقطوں سے آگاہی ہوئی اور جامعۃ الحسن ساہیوال کہ جہاں کے علمی، تربیتی اور تصنیفی ماحول سے ذوق وشوق کی ضیاء پاکر یہ تحریر وجود میں آئی، میں اس مقالہ کو ان دونوں اداروں کے نام کرنے پر خود کو باعثِ فخر سمجھتا ہوں۔ اللہ پاک ان اداروں کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے اور ان کے فیض سے عالمِ اسلام کو روشن فرمائے۔ آمین۔

اظہارِ تشکر

میں جامعۃ الحسن ساہیوال کے تمام اساتذہ کرام کا بے حد مشکور ہوں کہ جنہوں نے اس مقالہ میں میری مدد اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ جن کی تعلیم و تربیت اور نیک تمناؤں سے میں اس قابل ہوا کہ چند سطریں تحریر کر سکوں، بالخصوص اپنے نہایت شفیق و مربی استاذ شفیق الطلباء، استاذ العلماء حضرت مفتی ساجد الرحیم صاحب زید مجدہم (مدیر جامعۃ الحسن ساہیوال) کا بے حد مشکور و ممنون ہوں کہ جنہوں نے ہمیں تعلیم و تربیت کا پر سکون ماحول مہیا کیا اور اپنی اولاد سے بڑھ کر ہماری تربیت فرمائی۔ زبان اس حق تشکر سے قاصر ہے۔ بس دل کی گہرائیوں سے ان حضرات کے لیے دعا گو ہوں۔

اس کے ساتھ ساتھ مولانا مفتی محمد ادریس صاحب مدّ ظلہ (ناظمِ تعلیمات جامعہ ہٰذا) کا بھی مشکور ہوں، جنہوں نے ہمیں مقالہ لکھنے کی ترغیب دی اور وقتاً فوقتاً ہماری حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ اسی طرح استاذ مولانا مفتی عبد الماجد عارفی صاحب حفظہ اللہ (مدیر ماہنامہ دین کی دنیا) کا شکریہ ادا کرنا بہت ضروری سمجھتا ہوں، جنہوں نے مقالہ لکھنے میں مکمل طور پر رہنمائی فرمائی اور اپنی نگرانی میں مقالہ لکھوایا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک ان اساتذہ کرام کو دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے اور اپنی طرف سے بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	نام ونسب	4	11	منکرین زکوٰۃ سے معاملہ	12
2	قبل اسلام	4	12	مرتدین وباغیوں کی سرکوبی	12
3	اسلام	5	13	منکرینِ ختمِ نبوت سے جہاد	13
4	اشاعتِ اسلام	5	14	طلیحہ کی سرکوبی	13
5	فضائل	5	15	اسود عنسی کا فتنہ	15
6	مقامِ صدیقیت	9	16	مسیلمہ کذاب کا فتنہ	15
7	حضور کا وصال اور صدیق کی استقامت	10	17	عقیدہ ختمِ نبوت کی حقیقت	18
8	قیامِ خلافت صدیقی	10	18	حفاظتِ قرآن	21
9	خلافتِ صدیقی کے عظیم کارنامے	11	19	بیرونی جنگیں	22
10	لشکر اسامہ کی روانگی	12	20	وفاتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	23

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت تمام مخلوق سے اعلیٰ اور افضل ہے اور جماعتِ صحابہ میں سے خاص طور پر وہ ہستیاں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کی زمامِ اقتدار، امارت، قیادت اور سیادت کی ذمہ داری سنبھالی۔ ان بابرکت شخصیات میں سے خلیفہ اوّل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے اعلیٰ مرتبے اور بلند منصب پر فائز تھے اور ایثار، قربانی اور صبر واستقامت کا مثالی نمونہ تھے۔ ایک سچے مسلمان کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ انبیاء و رسل کے بعد اس کائنات میں سب سے اعلیٰ اور ارفع شخصیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے کی سعادت حاصل کی اور آخری سانس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت واطاعت کرتے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے تن من دھن سب کچھ پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے بے حد محبت فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ اعزاز بخشا کہ ہجرت کے موقع پر انہی کو اپنی رفاقت کے لیے منتخب فرمایا، بیماری کی حالت میں مسلمانوں کی امامت کے لیے حکماً ان کو اپنے مصلیٰ پر کھڑا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی اور مؤمنین ابو بکر کے علاوہ کسی اور کی امامت پر راضی نہیں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہر قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو سب کی نگاہیں آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر لگی ہوئی تھیں۔ صحابہ نے بلا تاخیر آپ رضی اللہ عنہ کو مسندِ خلافت پر بٹھایا، آپ رضی اللہ عنہ اپنی خداداد بصیرت و صلاحیت سے مسلمانوں کی ایسے شاندار طریقے سے قیادت فرمائی کہ اہلِ اسلام کی طرف بڑھتے تمام طوفانوں کا رخ موڑ دیا اور اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنے کا قلع قمع کر دیا۔

اس مقالہ میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مختصر حیات اور ان کے چند روشن کارنامے ذکر کیے جا رہے ہیں۔ ہزاروں اوراق آپ رضی اللہ عنہ کی روشن زندگی، فضائل، مناقب، سیرت و کردار اور سنہری کارناموں سے بھرے پڑے ہیں اور وہ بھی علم و فن کے تاجداروں، علمی دنیا میں چمکتے دمکتے ستاروں اور قلم و قرطاس کے عظیم شاہسواروں کی خامہ فرسائی کا نتیجہ ہیں۔ ظاہر سی بات ہے ان قلم و قرطاس کے بے تاج شاہوں کے درمیان اس "قلمی گداگر" کی یہ جرأت، آفتاب کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہے؟ لیکن خلیفہ اول، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عقیدت مندوں کی صف میں جگہ پانے کے لیے ایک ادنیٰ سی کاوش ضرور ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہوں کہ وہ میری اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے، والدین واساتذہ کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور اخلاص کی دولت سے مالامال فرما کر دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین۔

عمر فاروق صفوری
متعلم جامعۃ الحسن ساہیوال

خلیفۂ اوّل سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نام عبد اللہ۔ کنیت ابو بکر۔ صدیق اور عتیق لقب۔ والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ۔ والدہ کا نام سلمٰی اور امّ الخیر۔ والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عبد اللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی التیمی۔ والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے: ام الخیر بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ (سیر الصحابہ: 1/55، م اسلامی کتب خانہ)

والد ماجد:

ابو قحافہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، وہ اپنے فرزند سعید حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ضعف پیری کو دیکھ فرمایا کہ انہیں کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت سے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلمہ طیبہ کی تلقین کر کے مشرف باسلام فرمایا۔

والدہ ماجدہ:

حضرت ام الخیر سلمٰی بنت صخر کو ابتداء ہی میں اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ایک روز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ کا پتا دریافت کر کے اپنی والدہ کے ساتھ ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میری والدہ حاضر ہیں ان کو راہ حق کی ہدایت کیجیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔ (سیر الصحابہ: 1/56، م: اسلامی کتب خانہ)

اولاد وازواج:

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پہلی بیوی قتیلہ بنت عبد العزیٰ تھیں، جس سے عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے۔ دوسری بیوی ام رومان تھیں جن کے بطن سے عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے۔ جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو پہلی بیوی نے مسلمان ہونے سے انکار کیا، اس کو آپ رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی۔ دوسری بیوی ام رومان مسلمان ہو گئیں تھیں۔ مسلمان ہونے کے بعد آپ نے دو نکاح اور کیے۔ ایک اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ساتھ، جن کے بطن سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ دوسرا نکاح حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے جو قبیلہ خزرج سے تھیں، ان کے بطن سے ایک بیٹی ام کلثوم آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔

قبل اسلام:

آپ رضی اللہ عنہ انساب اور اخبار عرب کے بڑے ماہر تھے، آپ رضی اللہ عنہ طبعاً برائیوں اور بری خصلتوں سے دور رہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جاہلیت ہی میں اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے کبھی شراب پی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نعوذ باللہ! کبھی نہیں، اس نے پوچھا کیوں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے بدن سے بو آئے اور مروّت زائل ہو جائے۔ یہ گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں روایت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا: "ابو بکر سچ کہتے ہیں۔" آپ رضی اللہ عنہ قریش میں بڑے بامروّت اور لوگوں پر احسان کرنے والے تھے، مصائب کے وقت صبر واستقامت سے کام لیتے اور مہمانوں کی خوب مدارات وتواضع بجالاتے، لوگ اپنے معاملات میں

آپ رضی اللہ عنہ سے آکر مشورہ لیا کرتے اور آپ رضی اللہ عنہ کو اعلیٰ درجہ کا صائب الرائے سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کی ابن دغنہ آپ رضی اللہ عنہ کو راستے سے واپس لے آیا تھا، جب کہ آپ رضی اللہ عنہ مکہ سے رخصت ہو چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بچپن ہی سے ان کو خاص انس و الفت تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ احباب میں داخل تھے، اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ (تاریخ اسلام: 1/290، مکتبہ الحسن)

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ خیر مجسم، بے عیب، سلیم الطبع اور حق پسند و حق پرور تھے، یہی سبب تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام پیش کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ بھی پس و پیش نہ کیا، فوراً قبول کیا اور نصرت و امداد کا وعدہ فرمایا، پھر وعدے کو نہایت خوبی کے ساتھ پورا کر دکھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بجز ابو بکر کے جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی، اس نے کچھ نہ کچھ پس و پیش ضرور کیا۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بجز نبی کے اور کسی پر جو ابو بکر سے بہتر ہو آفتاب طلوع نہ ہوا۔

اسلام:

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، جس شخص نے سب سے پہلے رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی وہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ، لڑکوں میں سب سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے، عورتوں میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر آپ رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی رسول اللہ کا ساتھ نہ چھوڑا، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی محبت میں ہجرت کی، غار میں رسول اللہ کا ساتھ دیا، لڑائیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم میں سے ایک کے ساتھ جبرائیلؑ اور دوسرے کے ساتھ میکائیلؑ ہیں۔
(تاریخ اسلام: 1/290، مکتبہ الحسن)

اشاعتِ اسلام:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دین حنیف کی نشر و اشاعت شروع کر دی، آپ رضی اللہ عنہ کی دعوت سے حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ابو عبیدہ، حضرت ابو سلمہ اور حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہم بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی کی دعوت سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو آسمان اسلام کے ستارے ہیں، ان کا مرکز شمسی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کی ذات تھی۔ اعلانیہ دعوت کے علاوہ ان کا مخفی روحانی اثر بھی سعید روحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا، چنانچہ اپنے صحن خانہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی ہوئی تھی اور اس میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پاک تلاوت کرتے وقت آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی گریہ و بکا کو دیکھ کر جمع ہو جاتے اور اس پُر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ابتدائے اسلام میں بہت سے غلاموں اور کنیزوں کو خرید کر آزاد فرمایا، مظلوموں کی جان بچائی، جن میں حضرت بلال، ابو فکیہہ، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم، زنبیرہ، نہدیہ اور نہدیہ کی بیٹی وغیرہ شامل ہیں۔ (سیر الصحابہ: 1/57، م: اسلامی کتب کانہ)

فضائل:

آپ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ عالم اور ذکی تھے، جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوتا تو وہ مسئلہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا جاتا، آپ رضی اللہ عنہ اس پر جو حکم لگاتے وہ عین صواب ہوتا۔ قرآن شریف کا علم آپ رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز میں امام بنایا، سنت کا علم بھی آپ رضی اللہ عنہ کو کامل تھا، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسائل میں آپ ہی سے

رجوع کرتے تھے۔ آپ کا حافظہ بھی قوی تھا، آپ رضی اللہ عنہ نہایت ذکی الطبع تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضِ صحبت، ابتدائے اسلام سے وفات تک حاصل رہا، زمانہ خلافت میں جب کوئی معاملہ پیش آتا تو آپ رضی اللہ عنہ قرآن مجید میں اس مسئلہ کو تلاش کرتے، اگر قرآن شریف میں نہ ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے موافق فیصلہ کرتے، اگر کوئی قول و فعل معلوم نہ ہوتا تو باہر نکل کر لوگوں سے دریافت فرماتے کہ تم نے کوئی حدیث اس معاملے میں سنی ہے؟ اگر کوئی صحابی ایسی حدیث بیان نہ فرماتے تو آپ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع فرماتے اور ان کی کثرت رائے کے موافق فیصلہ صادر فرماتے۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ عرب کے بالعموم اور قریش کے بالخصوص بڑے نَسّاب (نسب کا علم رکھنے والے) تھے، حتیٰ کہ جبیر بن مطعم جو عرب کے بڑے نَسابوں میں شمار ہوتے تھے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خوشہ چیں تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں نے علم نسب عرب کے سب سے بڑے نساب سے سیکھا ہے۔

علم تعبیر میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ فوقیت حاصل تھی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آپ رضی اللہ عنہ خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے تھے۔ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے بڑے معبّر (تعبیر بتلانے والے) ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ فصیح تقریر کرنے والے تھے۔ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے زیادہ فصیح ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے، تمام صحابہ میں آپ رضی اللہ عنہ کی عقل کامل اور اصابت رائے مسلّم تھی۔

آپ رضی اللہ عنہ بہادر اور بارعب تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک شجاع ترین شخص کون ہے؟ سب نے کہا آپ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ برابر کے جوڑے سے لڑتا ہوں، یہ کوئی شجاعت نہیں، تم شجاع ترین شخص کا نام لو۔ سب نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شجاع ترین سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، بدر کے دن ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک سائبان بنایا تھا، ہم نے پوچھا کہ رسول اللہ کے پاس کون رہے گا کہ مشرکین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے سے باز رکھے؟ قسم اللہ پاک کی! ہم میں سے کسی شخص کو ہمت نہ ہوئی، مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور کسی کو پاس نہ آنے دیا، جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا ابو بکر رضی اللہ عنہ اس پر حملہ آور ہوئے۔ (تاریخ اسلام: 1/293، م: الحسن)

احادیث مبارکہ میں بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل بیان کیے گئے ہیں جن میں سے چند ایک ذکر کیے جاتے ہیں۔

سب سے ممتاز:

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب ہمیں صحابہ کے درمیان انتخاب کے لیے کہا جاتا تو سب میں منتخب اور ممتاز ہم ابو بکر رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے، پھر عمر رضی اللہ عنہ کو، پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو۔ (بخاری: 1/646، م: رحمانیہ)

نبی کے خلیل:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں اپنی امت میں سے کسی شخص کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں۔ (بخاری: 1/646، م: رحمانیہ)

نبی کے جانشین:

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اسے دوبارہ آنے کے لیے فرمایا، اس نے کہا، اگر میں نے آپ کو نہ پایا پھر آپ کا کیا خیال ہے؟ (غالباً وہ وفات کی طرف اشارہ کر رہی تھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: اگر مجھے نہ پا سکی تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس چلی جانا۔ (اس سے گویا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ تھا) (بخاری: 1/647، م: رحمانیہ)

یارِ غار:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم غار میں تھے تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی، اگر مشرکین کے کسی فرد نے اپنے قدموں کے قریب سے (جھک کر) ہمیں تلاش کیا تو وہ ضرور ہمیں دیکھ لے گا، حضور نبی کریم ﷺ نے اس پر فرمایا، اے ابو بکر! ان دو کے بارے تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے؟ (بخاری: 1/647، م: رحمانیہ)

محبوبِ پیغمبر:

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ سے، میں نے پوچھا مَردوں میں سے؟ فرمایا اس کے والد سے، میں نے پوچھا اس کے بعد، فرمایا عمر بن خطاب سے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے کئی اشخاص کے نام لیے۔ (بخاری: 1/647، م: رحمانیہ)

جنت کے دروازوں کا مطلوب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی چیز کا جوڑا اللہ کے راستے میں خرچ کیا تو اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے! یہ دروازہ بہتر ہے، پس جو شخص اہل نماز میں سے ہو گا اسے نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا، جو شخص اہل جہاد میں سے ہو گا اسے جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا، جو شخص اہل صدقہ میں سے ہو گا اسے صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا، اور جو شخص اہل صیام میں سے ہو گا اسے صیام اور ریّان کے دروازے سے بلایا جائے گا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی جس شخص کو ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا، پھر تو اسے کسی قسم کا خوف و اندیشہ نہیں رہے گا۔ پھر پوچھا، کیا کوئی شخص ایسا بھی ہو گا جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ حضور کریم ﷺ نے فرمایا ہاں! اور مجھے توقع ہے کہ اے ابو بکر! آپ بھی انہی میں سے ہوں گے۔ (بخاری: 1/648، م: رحمانیہ)

صدیق کا لقب نبوت کی زبانی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر احد پہاڑ پر چڑھے تو احد کانپ اٹھا، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، احد قرار پکڑ! تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (بخاری: 1/648، م: رحمانیہ)

صدیق کی نیکی سب پر بھاری:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے ہمیں کچھ دیا ہے، ہم نے اس کا بدلہ دے دیا ہے، سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ ایسی نیکی اور بخشش کی ہے جس کا بدلہ قیامت کے دن خدا ہی دے گا۔ کسی شخص کے مال نے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے مال نے پہنچایا ہے۔ (ترمذی: 2/684، م: رحمانیہ)

سب کچھ نچھاور کرنے والے:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور کریم ﷺ سے عرض کر دیا تھا کہ میں اور میرا سارا مال آپ ﷺ کی ملک ہے جس طرح چاہیں استعمال فرمائیں، چنانچہ آپ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے مرض وفات کے وقت اپنے آخری خطاب میں بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اس خصوصیت اور امتیاز کا ذکر فرمایا تھا۔ (ترمذی: 2/684، م: رحمانیہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گواہی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں، ہم سب سے افضل ہیں اور ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ محبوب ہیں۔ (ترمذی:2/684،م:رحمانیہ)

حوضِ کوثر پر ساتھی:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میرے یارِ غار ہو اور حوض کوثر پر میرے ساتھی ہو۔ (ترمذی:1/685،م:رحمانیہ)

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت پر مہر:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جس جماعت میں ابو بکر (رضی اللہ عنہ) موجود ہوں تو مناسب نہیں کہ ان کے علاوہ کوئی شخص امام بنے۔ (ترمذی: 2/685،م:رحمانیہ)

ابو بکر کا کوئی ثانی نہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں خدا کے راستے میں صدقہ و خیرات کا حکم کیا، حسنِ اتفاق سے اس وقت میرے پاس کافی مال تھا، میں نے اپنے دل میں کہا، اگر ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے سبقت لے جانا کسی دن میرے لیے ممکن ہو گا تو آج کا دن ہی ممکن ہے اور میں کافی مال خرچ کر کے سبقت لے جاؤں گا، چنانچہ میں اپنا آدھا مال لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، گھر والوں کے لیے کتنا چھوڑا؟ میں نے عرض کی آدھا مال۔ پھر ابو بکر (رضی اللہ عنہ) جو کچھ ان کے پاس تھا سب لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے؟ عرض کی کہ ان کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ میں نے دل میں کہا ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے کبھی بھی سبقت نہیں لے سکوں گا۔ (ترمذی:2/685،م:رحمانیہ)

عتیق ہے لقب جن کا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تو دوزخ کی آگ سے آزاد کیا ہوا ہے، اس روز سے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا لقب عتیق ہو گیا۔ (ترمذی:2/685،م:رحمانیہ)

آخرت میں بھی نبی کی معیت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (قیامت کے دن) سب سے پہلے میری قبر کھلے گی اور سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ (کی قبر کھلے گی) پھر عمر رضی اللہ عنہ (کی قبر کھلے گی) پھر میں بقیع قبرستان کے مدفونوں کے پاس آؤں گا اور انہیں میرے ساتھ اٹھایا جائے گا، پھر میں مکہ والوں کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ حرم مکہ اور حرم مدینہ کے درمیان میں ان کے ساتھ جمع کیا جاؤں گا۔ (ترمذی: 2/686،م:رحمانیہ)

سب سے پہلے جنت میں جانے والے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک روز جبرائیلؑ میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہو گی، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں کاش! میں بھی

آپ کے ساتھ ہوتا، تاکہ وہ دروازہ دیکھ لیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو بکر! آگاہ رہو کہ میری امت میں سب سے پہلا شخص تو ہو گا جو جنت میں داخل ہو گا۔ (مشکوۃ:2/564،م:رحمانیہ)

مقامِ صدیقیت:

مقام صدیقیت کے جو ترکیبی عناصر ہیں وہ سورۃ اللیل کی ان تین آیات میں بیان ہوئے ہیں: (فامّا مَنْ اعطٰی والتّقٰی، وصدّقَ بالحسنیٰ، فَسَنُیسّرُہ للیُسْریٰ) اب جس کسی نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا، اور تقویٰ اختیار کیا، اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا، تو ہم اس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرا دیں گے۔ (سورۃ اللیل: آیت نمبر:5،6،7)

صدیق کا پہلا وصف:

صدیق کا پہلا وصف یہ ہے کہ اس میں عطا (راہ خدا میں مال خرچ کرنا) اور جود وسخاوت ہوتی ہے، وہ لوگوں کی مشکلات کو دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے، بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے، غلاموں کو آزاد کراتا ہے، بے سہاروں کا سہارا بنتا ہے اور ضعیفوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ وصف سب سے زیادہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ذات میں پایا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ابتدائے اسلام میں بہت سے غلاموں اور کنیزوں کو خرید کر آزاد کیا اور مظلوموں کی جان بچائی، جن میں حضرت بلال، ابوفکیہہ، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم، زنبیرہ، نہدیہ اور نہدیہ کی بیٹی وغیرہ شامل ہیں۔

جب اسلام پر مال خرچ کرنے کی ضرورت پڑی تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے آگے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور کریم ﷺ سے عرض کر دیا تھا کہ میں اور میرا سارا مال آپ ﷺ کی ملک ہے جس طرح چاہیں استعمال فرمائیں، چنانچہ آپ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے مرض وفات کے وقت اپنے آخری خطاب میں بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اس خصوصیت اور امتیاز کا ذکر فرمایا تھا۔

(ترمذی:2/684،م:رحمانیہ)

صدیق کا دوسرا وصف:

صدیق کا دوسرا وصف ہے تقویٰ، طبیعت میں نیکی کا مادہ، خیر کا جذبہ، نیکی کا فطری میلان، برائی اور بدی سے طبعی کراہت اور نفرت، برائی سے بچنے کا ذاتی رجحان اور کوشش۔ گویا خدا خوفی اور خدا ترسی کی ایک کیفیت۔ یہ وصف بھی سب سے زیادہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ میں پایا جاتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں بھی طبعاً برائیوں اور بری خصلتوں سے بچتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے جاہلیت ہی میں اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی، آپ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے کبھی شراب پی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نعوذ باللہ! کبھی نہیں، اس نے پوچھا کیوں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے بدن سے بو آئے اور مروّت زائل ہو جائے۔ اسلام لانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ تقویٰ میں اتنے آگے بڑھے کہ آپ ﷺ نے اپنے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا، ہجرت میں ساتھ لے گئے اور وفات کے بعد ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ سلا لیا۔

صدیق کا تیسرا وصف:

تیسرا وصف جو مقام صدیقیت کی تکمیل کرتا ہے اور جس سے کسی کی سچائی پر مہر ثبت ہو جاتی ہے وہ ہے "وصدّقَ بالحسنیٰ" یعنی جو بھی اچھی بات سامنے آئے اس کی فوراً تصدیق کرے، انانیت اور تکبر نہ ہو کہ میں اگر دوسرے کی بات مان لوں گا تو میں چھوٹا ہو جاؤں گا اور وہ بڑا ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کی بات کو مان لینا اور تسلیم کر لینا آسان کام نہیں، جس شخص میں یہ وصف ہو کہ چاہے دشمن بھی ایسی کوئی بات کہے جو عدل وانصاف پر مبنی ہو تو اسے فوراً تسلیم کر لے، بلاشبہ وہ صاحب کردار شمار ہو گا، اس طرز عمل کا نام تصدیق بالحسنیٰ ہے۔

یہ وصف بھی سب سے زیادہ ابو بکر رضی اللہ عنہ میں پایا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی تصدیق کی، آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور نصرت و امداد کا وعدہ فرمایا، پھر وعدہ کو نہایت خوبی کے ساتھ پورا کر دکھایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بجز ابو بکر کے جس کو بھی میں نے اسلام کی دعوت دی اس نے کچھ نہ کچھ پس و پیش ضرور کیا۔

حضور ﷺ کا وصال اور صدیق اکبر کی استقامت:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی وفات سے قبل مقام سخ جہاں ان کی زوجہ محترمہ حضرت خارجہ رضی اللہ عنہا رہتی تھیں تشریف لے گئے، جب آپ رضی اللہ عنہ مقام "سخ" سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا اور مسجد کے دروازے پر ایک ہنگامہ برپا تھا، لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں داخل ہوئے اور اپنے محبوب آقا کے نورانی چہرے سے نقاب اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، خدا کی قسم! آپ پر دو موتیں جمع نہ ہوں گی، وہ موت جو آپ کے لیے مقدر تھی اس کا مزہ چکھ چکے، اس کے بعد اب پھر کبھی موت نہ آئے گی۔

پھر چادر ڈال کر باہر تشریف لائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوش میں تقریر کر رہے تھے اور قسم کھا کھا کر رسول اللہ ﷺ کے انتقال فرمانے سے انکار کر رہے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ حال دیکھا تو فرمایا: عمر تم بیٹھ جاؤ! لیکن انہوں نے پریشانی کے عالم میں کچھ خیال نہ کیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے الگ کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی، تمام لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی طرف جمع ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تنہا رہ گئے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اگر لوگ محمد ﷺ کی عبادت کرتے تھے تو بیشک وہ وفات پا گئے اور اگر خدا کی عبادت کرتے تھے تو بیشک وہ زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا۔ خدائے برتر فرماتا ہے (وما محمدٌ الا رسول، قد خلت من قبلہ الرسل) اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔"

(سورۃ: آل عمران، آیت: 144)

یہ تقریر ایسی دلنشین تھی کہ ہر ایک کا دل مطمئن ہو گیا، خصوصاً جو آیت آپ رضی اللہ عنہ نے تلاوت فرمائی وہ ایسی با موقع تھی کہ اس وقت سب کی زبان خاموش ہو گئی۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔

(سیر الصحابہ: 1/68، م: اسلامی کتب خانہ)

قیامِ خلافت صدیقی:

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے مدینہ میں خلافت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی، مہاجرین کو خبر ہوئی تو وہ بھی جمع ہوئے اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو وقت پر اطلاع نہ ہوتی تو مہاجرین اور انصار جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے، باہم دست و گریبان ہو جاتے اور اسی طرح اسلام کا چراغ بجھ جاتا، لیکن خدا کو توحید کی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا، اس لیے اس نے آسمانِ اسلام پر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے مہر و ماہ (چاند تارے) پیدا کر دیے تھے، جنہوں نے اپنی عقل و سیاست کی روشنی سے افقِ اسلام کی ظلمت اور تاریکیوں کو کافور کر دیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے، انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا، ظاہر ہے کہ اس دو عملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ سند خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کر دی جاتی، لیکن دقت یہ تھی کہ قبائل عرب خصوصاً قریش ان کے سامنے گردن خم نہیں کر سکتے تھے، پھر انصار میں بھی دو گروہ تھے، اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا، غرض ان دقتوں کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"صاحبو! مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں، لیکن درحقیت تمام عرب قریش کے سوا کسی کی حکومت تسلیم ہی نہیں کر سکتا، پھر مہاجرین اپنے تقدم اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے خاندانی تعلق کے باعث نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں، یہ دیکھو ابو عبیدہ بن الجراح اور عمر رضی اللہ عنہما موجود ہیں ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو۔" (سیر الصحابہ: 1/ 68، م: اسلامی کتب خانہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیش دستی کر کے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہا: نہیں، بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم میں سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ ﷺ آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اس مجمع میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی بااثر بزرگ اور معمر نہ تھا، اس لیے اس انتخاب کو سب نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا اور تمام خلقت بیعت کے لیے ٹوٹ پڑی۔ اس طرح یہ اٹھتا ہوا طوفان فوراً رک گیا اور لوگ رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خطبہ:

رسول پاک ﷺ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر ان الفاظ میں آئندہ طرزِ عمل کی وضاحت فرمائی:

"صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں، حلانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو میری اعانت کرو اور اگر میں کوئی غلط راہ اختیار کروں تو مجھے سیدھا کرو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے، ان شاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلا دوں۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اسے خدا ذلیل و خوار کرتا ہے، جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے۔ میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو، لیکن جب خدا اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر اطاعت نہیں ہے۔"

(سیر الصحابہ: 1/ 69، م: اسلامی کتب خانہ)

خلافتِ صدیقی کے عظیم کارنامے

تین بڑے فتنوں کا خاتمہ:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مسند خلافت پر آتے ہی اپنے سامنے صعوبات، مشکلات اور خطرات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا، ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تھے، دوسری طرف مرتدین اسلام کی ایک جماعت عَلم بغاوت بلند کیے ہوئے تھی، منکرینِ زکوٰۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی۔ ان دشواریوں کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مہم بھی درپیش تھی، جس کو آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ اس مہم کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رائے دی کہ اس کو ملتوی کر کے پہلے مرتدین و کذّاب مدعیان نبوت کا قلع قمع کیا جائے، لیکن خلیفہ اول سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ارادہ نبوی ﷺ اور حکم رسالت ﷺ ملتوی ہو جائے اور جو عَلم، رسول اللہ ﷺ کے ایماء (اشارے) سے روم کے مقابلے کے لیے بلند کیا گیا تھا، اس کو کسی دوسری جانب حرکت دی جائے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر فرمایا: خدا کی قسم! اگر مدینہ اسی طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آکر میری ٹانگ کھینچنے لگیں، تب بھی میں اس مہم کو نہیں روک سکتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اٹل فیصلہ سن کر سب خاموش ہو گئے، تاہم بعض حضرات نے تجویز دی کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی جگہ اکابر صحابہ میں سے کسی کو امیر بنا دیا جائے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بڑے جوش سے بولے، جسے رسول اللہ ﷺ نے امیر بنایا ہے، تم اسے معزول کرنے کا مشورہ کر رہے ہو۔

لشکر اسامہ کی روانگی:

خلیفہ اوّل نے خطرات و مشکلات کے باوجود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کا حکم دیا، لشکر روانگی کے لیے تیار ہوا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لیے اس طرح ساتھ چلے کہ آپ رضی اللہ عنہ پیادہ تھے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے مؤدبانہ طور پر درخواست کی: خلیفۃ الرسول! آپ سوار ہو جائیں ورنہ میں بھی پیدل چلوں گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بولے نہ تمہیں اترنے کی ضروت ہے نہ مجھے سوار ہونے کی، کیا حرج ہے کہ میرے پیروں پر اللہ کے راستے کی کچھ دھول لگ جائے؟ مجاہد کو تو ہر قدم پر سو نیکیاں ملتی ہیں۔ آپ مشاورت کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے، مگر وہ لشکر اسامہ میں شامل تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے نظم وضبط کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے انہیں خود روکنے کے بجائے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے انہیں اپنے پاس رکھنے کی باقاعدہ اجازت لی۔ اس طرح سب پر واضح ہو گیا کہ امیر کا مقام کیا ہے اور نظم وضبط کسے کہتے ہیں۔ (تاریخ امت مسلمہ: 1/468، المنہل پبلشرز)

لشکر اسامہ کے جانے کے بعد مدینہ کا دفاع:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کے بعد مدینہ منورہ میں عسکری طاقت بہت کم رہ گئی تھی، اس لیے مرتد قبائل مدینہ منورہ کے ارد گرد جمع ہونے شروع ہو گئے، مدینہ کے شمال سے عبس اور ذبیان، شمال مشرق سے بنو قزادہ اور جنوب مشرق سے بنو غطفان کے مرتدین امنڈ پڑے، شہر کو خطرے میں دیکھ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بڑی مستعدی سے حفاظتی انتظامات کیے، تمام شاہراہوں اور راستوں کی ناکہ بندی کرائی اور اہل مدینہ کو ہر وقت تیار اور چوکس رہنے کی تاکید کی۔

منکرین زکوٰۃ سے معاملہ:

ادھر زکوٰۃ کے منکرین نے دربارِ خلافت میں اپنے نمائندے بھیج کر مطالبہ کیا کہ وہ توحید و رسالت اور اسلام کے تمام ارکان کو مانتے ہیں، مگر انہیں زکوٰۃ معاف کر دی جائے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حالات کی نزاکت اور وقتی مصلحت کو دیکھتے ہوئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رائے دی کہ فی الحال ان لوگوں کا یہ مطالبہ منظور کر لیا جائے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی چھوٹ دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے دلیر اور بلند حوصلہ انسان کا مشورہ بھی یہی تھا کہ بغاوت کے فتنے سے بچنے کے لیے ان کی شرط مان لی جائے۔

لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیاسی مصلحتوں اور وقتی ضروریات کو نظر انداز کرتے ہوئے اسلام کو اصلی شکل میں باقی رکھنے کا عزم کیے ہوئے تھے، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جو شخص زکوٰۃ کو نماز کے برابر اہمیت نہیں دے گا، میں اس سے ضرور لڑوں گا اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو لوگ زکوٰۃ میں بکری کا ایک بچہ بھی دیتے تھے، اگر آج اس کی ادائیگی سے رکیں گے تو میں ان سے بزور شمشیر لے کر رہوں گا۔

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی کامیابی:

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق اردن وبلقاء کی وادیوں میں پہنچ کر رومیوں کے لشکر سے لڑائی شروع کر دی، رومیوں کو شکست دے کر اور بے شمار غنیمت اور قیدی لے کر چالیس دن کے بعد مدینہ واپس آئے۔ لشکر اسامہ کی کامیابی کی خبریں سن کر وہ باغی قبائل جو مدینہ کے شمال اور مشرق میں صرف چند میل دور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، سہم گئے۔ وہ کہہ رہے تھے اگر مدینہ والوں میں غیر معمولی طاقت نہ ہوتی تو وہ اس حالت میں لشکر روانہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہیں مدینہ پر حملہ کی جرأت نہ ہوئی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی لشکر اسامہ کی واپسی تک احتیاط سے کام لیا اور مدینہ کے دفاع پر توجہ دیتے ہوئے باغیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔

مرتدین وباغیوں کی سرکوبی:

چالیس دن بعد جونہی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فتح کا پرچم لہراتے ہوئے واپس آئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ میں اپنا نائب بنایا اور

خود لشکر لے کر مرتدین وباغیوں کی سرکوبی کے لیے چل پڑے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اصرار بھی کیا کہ آپ کا مدینہ میں رہنا ضروری ہے، مگر آپ رضی اللہ عنہ نہ رکے اور لشکر لے کر بذاتِ خود سپہ سالار کی ذمہ داریاں انجام دیتے ہوئے آپ نے مدینہ کے گردونواح میں پیش قدمی کی۔ یہ جمادی الثانی کے ایام تھے، عبس، ذبیان بنو مرہ اور بنو کنانہ کے فسادی مدینہ کے اطراف میں منڈلا رہے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اچانک یلغار کی اور ایک دن صبح کا اجالا نمودار ہونے سے قبل انہیں جالیا، فسادی انہیں یکایک سامنے پاکر دہشت زدہ رہ گئے اور مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا، سورج نکلتے نکلتے حریف، لاشوں کے ڈھیر چھوڑ کر فرار ہو چکا تھا، یہ شورش پسندوں کے خلاف پہلی فتح تھی۔ اسی طرح آپ نے باغیوں پر اپنی ہیبت طاری کر کے انہیں منتشر کر دیا۔ (البدایہ والنھایہ:3/443،م:العلمیہ)

منکرینِ ختم نبوت سے جہاد:

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے بارہ میل (20 کلو میٹر) دور "ذاالقصہ" کے مقام پر کیمپ لگا کر فوج کو گیارہ حصوں میں تقسیم کیا، ہر حصہ پر تجربہ کار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو امیر مقرر کیا اور ایک مربوط نقشہ جنگ مرتب کر کے ان گیارہ لشکروں کو پورے جزیرۃ العرب میں پھیلا دیا۔ آپ کا سب سے بڑا ہدف جھوٹے نبیوں کی سرکوبی کرنا تھا۔

آپ اس سے قبل تمام مرتد سرداروں، نبوت کے جھوٹے دعوے داروں اور ان کے پیروکاروں کی طرف اپنے قاصد بھیج کر انہیں دوبارہ اسلام کی دعوت دے چکے تھے، آپ کے نائبین سر توڑ کوشش کر چکے تھے کہ یہ گمراہ لوگ دوبارہ ہدایت پر آجائیں، مگر فتنوں کی وبا ایسی تھی کہ بہت کم لوگوں پر اس دعوت کا اثر ہوا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی پوری قوت، ہمت اور ایمانی جوش کے ساتھ ان کے مقابلے پر آگئے۔

طُلیحہ کی سرکوبی:

بنو اسد کے سردار طُلیحہ نے نبوت کا اعلان کر کے اپنے گرد ایک بھاری جماعت اکھٹی کر لی تھی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ جبرائیل علیہ السلام اس کے پاس بھی آیات لاتے ہیں، اس کی من گھڑت آیات کچھ اس قسم کی تھیں (والْحَمامِ والیَمامِ، والصّرْدِ الصَّوامِ، قدْ صُمْنَ قبْلَكُمْ بأَغْوامٍ، لَيبْلُغَنَّ مُلْكُنا بالشّامِ۔) قسم ہے شہری کبوتر اور جنگلی کبوتر کی اور روزہ دار لٹورے (ایک قسم کا پرندہ) کی، ان سب نے تم سے کئی سال پہلے روزے رکھے۔ ہماری حکومت شام تک پھیل کر رہے گی۔

لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے وہ طرح طرح کی شعبدہ بازیاں دکھاتا تھا۔ ایک بار اس نے ریگستان میں پانی کے بڑے مٹکے چھپا دیے، جب اس کے ساتھیوں کو پانی کی تنگی محسوس ہوئی تو بولا، گھوڑوں پر سوار ہو کر اس سمت چند میل طے کرو، پانی کے مٹکے ملیں گے۔ لوگوں کو اس جگہ پانی ملا تو اسے طلیحہ کا "معجزہ" سمجھے۔ اس شعبدہ بازی کے ذریعے اس نے بنو اسد، بنو غطفان اور بنو طے کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ غرض یہ ایک مہلک فتنہ تھا جس نے مدینہ منورہ کے مشرق کو گرد آلود کر دیا تھا۔

طلیحہ کی سرکوبی کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے بہترین سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا، اس وقت طلیحہ اپنی فوج کے ساتھ "بزاخہ" کے مقام پر تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ کرتے ہوئے ہدایت کی کہ پہلے قبیلہ بنو طے کے پاس جانا، پھر بزاخہ کا رخ کرنا، اس مہم سے فارغ ہو کر بطاح میں (بنو تمیم کے مالک بن نویرہ) کی خبر لینا اور دوسرا حکم آنے تک وہیں ٹھہرنا۔

ان ہدایات میں سے ہر ایک بڑی گہری حکمتوں پر مبنی تھی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حکم کے مطابق متاثرہ علاقوں میں پہنچے اور سب سے پہلے بنو طے سے رابطہ کیا، یہ لوگ طلیحہ کی حمایت کے باوجود ابھی تک اسلام پر قائم تھے، بنی طے کے سردار عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے ملاقات

ہوئی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ تین دن تک صبر کریں، اس دوران وہ اپنے قبیلے کو سمجھانے کی کوشش کریں گے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ مان گئے، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور بنو عدی کے لوگ طلیحہ کو چھوڑ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہو گئے۔

یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی پر عمل کرنے کا نتیجہ تھا کہ لڑائی سے پہلے دشمن کی صفوں میں دراڑیں پڑ گئیں اور مسلمان لشکر کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ اب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے طلیحہ کے خلاف کاروائی شروع کی "بزاخہ" کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ یہ جگہ مدینہ منورہ سے چار سو کلو میٹر مشرق میں ہے۔ طلیحہ خود ایک چادر اوڑھ کر مراقبے کی حالت میں اس طرح بیٹھ گیا جیسے اس پر وحی نازل ہو نے والی ہو، اس کی فوج کا سپہ سالار عیینہ بن حصن جس کے پاس بنو فزارہ کے سات سو جنگجو تھے، مسلمانوں پر حملہ آور ہوا، گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی، جلد ہی عیینہ نے محسوس کر لیا کہ خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کو شکست دینا مشکل ہے، اس نے طلیحہ کے پاس آکر پوچھا، کیا جبرائیل کوئی پیغام لائے ہیں؟ طلیحہ کا جواب تھا ابھی نہیں۔

لڑائی نے طول کھینچا اور عیینہ کو کامیابی دور معلوم ہونے لگی، پھر طلیحہ کے پاس گھبرایا ہوا آیا اور چلّایا، تیرا باپ مرے! جبرائیل کچھ حکم لائے کہ نہیں، طلیحہ بولا ابھی تک تو نہیں آئے۔ عیینہ پھر جا کر فوج کو لڑانے میں مصروف ہو گیا، مگر جب ساتھیوں کے قدم ڈگمگاتے دیکھے تو پھر دوڑا ہوا آیا اور بولا، جبرائیل آئے کہ نہیں؟ طلیحہ بولا ہاں آئے تھے۔ عیینہ نے خوش ہو کر پوچھا کیا حکم لائے؟ طلیحہ نے من گھڑت آیات پڑھ دیں "اِنَّ لَكَ رِحاً كَرِحاهُ وحَدِيثاً لا تنساهُ" (تیرے نصیب میں ہے اک چکی، جیسے اس کی چکی، تیری حالت ہو گی ایسی، تو بھولے گا نہ کبھی) یہ اوٹ پٹانگ جملے سن کر عیینہ سمجھ گیا کہ طلیحہ نے نبوت کا ڈھونگ رچایا ہوا ہے، اس نے لشکر میں جا کر آواز لگائی، لوگو! جان بچا کر بھاگو، یہ شخص تو جھوٹا اور مکار ہے۔

عیینہ اور اور اس کے قبیلے کے بھاگتے ہی مرتدین کے قدم اکھڑ گئے، عیینہ تو پکڑا گیا مگر طلیحہ نے اس موقع کے لیے پہلے سے ایک نہایت تیز رفتار گھوڑے کا انتظام کر رکھا تھا، وہ اپنی بیوی کو لے کر اس پر سوار ہوا اور یہ کہتے کہتے فرار ہو گیا:

"جو اپنی بیوی کو لے کر بھاگ سکتا ہے بھاگ جائے۔ وہ جان بچا کر شام پہنچ گیا، پھر مدتوں ادھر ادھر پھرتا رہا، آخر دوبارہ مسلمان ہو گیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دربار میں معافی کی درخواست بھیج دی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ارتداد سے توبہ تائب ہونے والوں کی لیے نرم رویہ اختیار کیا تھا۔ چنانچہ اس کی معذرت قبول کر لی گئی۔ بعد میں طلیحہ نے عراق کے جہاد میں اسلام کے بہترین سپاہی کا کردار ادا کیا۔ عیینہ نے اسلام قبول کر لیا تو اسے بھی رہا کر دیا گیا۔"

(تاریخ امت مسلمہ: 1/ 469، 470، المنہل پبلشرز)

امّ زمل کی سرکوبی:

طلیحہ کے لشکر سے نمٹنے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق اس علاقے میں ٹھہرے، اس قیام کی مصلحت یہ سامنے آئی کہ اس دوران آس پاس ارتداد کے جو معمولی اثرات دوبارہ ظاہر ہوئے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو انہیں مٹانے کے لیے دوبارہ مہم جوئی نہیں کرنا پڑی۔ ان دنوں بنو غطفان، ہوازن اور بنو سلیم کے مرتدین ایک عورت امّ زمل (سلمیٰ بنت مالک) کی قیادت میں جمع ہو گئے تھے، ایک جہاد میں قید ہو کر یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی بنی تھی، انہوں نے احسان کرتے ہوئے اسے رہا کر دیا تھا۔ اس کی ماں امّ قرحہ بھی اپنے قبیلے کی سردار تھی جو مسلمانوں سے لڑائی میں ماری گئی تھی، امّ زمل نے ماں کے انتقام کے جوش میں عرب قبائل کو اپنے گرد جمع کر لیا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر برانگیختہ کر دیا۔ اس کے عزائم کی اطلاع ملنے پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ لشکر لے کر بڑھے، امّ زمل ایک اونٹ پر سوار ہو کر اپنے عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں مقابلے پر آئی۔ ایک شدید لڑائی کے بعد مسلمانوں نے اس کے اونٹ کو گرا کر اسے قتل کر دیا، اس لڑائی میں سو مرتد امّ زمل کی حفاظت کرتے کرتے قتل ہوئے۔

اسود عنسی کا فتنہ:

جھوٹے مدعیان نبوت میں سے اسود عنسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں فتنہ برپا کر دیا تھا، ہزاروں دیہاتی اس کے پیروکار بن گئے تھے، اس کی قوت سے سارے یمن والے خائف تھے۔ اسود عنسی کی ستم رانیوں کا یہ عالم تھا کہ اس نے یمن کے مشہور تابعی حضرت ابو مسلم خولانیؒ (جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر زیارت کا شرف حاصل نہ کر سکے) اپنی جھوٹی نبوت کا کھلم کھلا انکار کرنے کی پاداش میں گرفتار کر کے بھڑکتے انگاروں کے شعلوں میں پھینک دیا، تاہم ابو مسلم خولانی بالکل محفوظ رہے، اللہ پاک نے ان کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیا۔

یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الوفات کا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسود کی شورش کا حال سن کر مقامی رئیسوں کو مکتوب بھیجا تھا کہ اسود کے فتنے کی سرکوبی کریں، چنانچہ یمن کے ایک صحابی فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے خفیہ طور پر ایک شب اسود عنسی کی رہائش گاہ میں گھس کر اسے قتل کر دیا، اس طرح عارضی طور یہ فتنہ دب گیا تھا، مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کے پیروکاروں نے یمن میں پھر سے شورش برپا کر دی تھی، آخر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ کو فوج دے کر یمن بھیجا، انہوں نے شر پسندوں کو شکست فاش دی اور یمن میں امن و امان بحال کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ:9/436،435،م:العلمیہ)

مسیلمہ کذاب کا فتنہ:

نبوت کے جھوٹے دعوے داروں میں مسیلمہ کذاب کی طاقت سب سے زیادہ تھی، جو جزیرۃ العرب کے مشرقی علاقے نجد سے نمودار ہوا تھا۔ مکار اور شاطر تھا، میٹھی میٹھی باتوں اور خوبصورت وعدوں سے لوگوں کا دل جیتنا اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا، وہ اپنے ہاں اذان اور نماز کا اہتمام کراتا تھا، بنو حنیفہ کا سارا قبیلہ اس کے گرد جمع ہو گیا تھا، یمامہ کو اپنا مرکز بنا کر اسے مکہ مکرمہ کی طرح حرم قرار دیا تھا، قرآن مجید سے ملتی جلتی آیات بنانے کی بھی ناکام کوشش کرتا رہتا تھا۔

مسیلمہ کے پیروکار من گھڑت آیات کو بڑے شوق سے سنتے تھے، ان میں سے زیادہ تر جانتے تھے کی یہ جھوٹا ہے، مگر نسلی تعصب نے انہیں گمراہ کر دیا تھا۔ یہ لوگ عرب کے مشہور قبیلے ربیعہ کی شاخ تھے جو زمانہ دراز سے "مضر" کے مخالف تھے، جبکہ قریش جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی تعلق تھا مضر ہی کی شاخ تھے، ربیعہ والوں کو حسد تھا کہ نبی مضر میں کیوں پیدا ہوا۔ اب جب کہ ان کے ایک فرد نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تو انہیں بدلہ لینے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ ان کا نسلی تعصب اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ جب مسیلمہ کے ایک پیروکار سے پوچھا گیا کہ کیا وہ واقعی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مسیلمہ نبی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں اور مسیلمہ جھوٹا، مگر مجھے مدینہ کے سچے نبی سے یمامہ کا جھوٹا نبی زیادہ پسند ہے۔

مسیلمہ کی یہ طاقت اس وقت اور بڑھی جب جھوٹی نبیہ "سجاح" اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ یمامہ پہنچی اور مسیلمہ سے دو بدو بات چیت کی، مسیلمہ نے اسے سبز باغ دکھایا کہ وہ دونوں مل کر عرب کو فتح کریں گے، سجاح نہ صرف آمادہ ہو گئی بلکہ اتحاد کو مضبوط کرنے کے لیے اس نے مسیلمہ کی طرف سے رشتے کی پیش کش بھی منظور کر لی۔ شادی کے بعد جب سجّاح اپنے لشکر میں آئی تو اس کے عقیدت مندوں نے پوچھا کہ آپ کو مہر میں کیا دیا گیا؟ بولی کچھ بھی نہیں، وہ بگڑ کر بولے واپس جایئے اور کچھ لے کر آیئے، سجاح یہ مطالبہ لے کر اپنے فریبی شوہر کے پاس گئی تو اس نے بڑی بے نیازی سے کہا، اپنی قوم میں اعلان کر دو کہ مسیلمہ نے ان کے ذمہ سے دو نمازیں (فجر، عشاء) معاف کر دیں ہیں۔ سجاح کے پیروکار اس "انوکھے مہر" سے بڑے خوش ہوئے کہ دو نمازوں سے جان چھوٹ گئی، اس کے بعد وہ دل و جان سے سجاح کے ساتھ ساتھ مسیلمہ کے بھی گن گانے لگے۔

مسیلمہ پوری طرح مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کو مٹانے کے لیے آمادہ تھا، اس کی اس اسلامی دشمنی کا یہ عالم تھا کہ آتے جاتے اور آس پاس سے گزرتے ہوئے مسلمانوں کو پکڑ لیتا اور زبردستی اپنا کلمہ پڑھوانے کی کوشش کرتا، جو نہ مانتا اسے قتل کر دیتا۔ ایک صحابی عبد اللہ بن وہیب رضی اللہ عنہ کا گزر اس طرف سے ہوا تو مسیلمہ نے انہیں بھی گرفتار کر لیا اور اپنا کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا، حضرت عبد اللہ بن وہیب رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی دی گئی رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زبانی اقرار کر لیا، چنانچہ مسیلمہ نے انہیں قتل کی بجائے قید کر دیا۔ مشہور دلیر صحابیہ حضرت امّ عمّارہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو بھی مسیلمہ نے گرفتار کر لیا تھا، مسیلمہ ان کا ایک ایک عضو کٹواتا گیا مگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے برملا اظہار سے باز نہ آئے اور اس طرح شدید ترین اذیتیں سہتے ہوئے شہید ہو گئے۔

مسیلمہ کے خلاف لشکر کشی:

ایسے ظالم و جابر اور شاطر دشمن کے فتنے کو مٹانے کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دو لشکر بھیجے تھے، پہلا لشکر حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کی قیادت میں گیا تھا اور دوسرا حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہدایت کی تھی کہ جب تک شرحبیل بن حسنہ کا لشکر نہ پہنچے تم مسیلمہ کے پیروکاروں سے جنگ شروع نہ کرنا، مگر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اس ہدایت پر زیادہ توجہ نہ دی اور نجد پہنچتے ہی دشمن پر حملہ کر دیا، مسیلمہ کے سپاہی بڑے جنگجو تھے، انہوں نے اسلامی لشکر کو شکست دے کر پسپا کر دیا، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے شکست کی خبر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجی تو انہوں نے فی الفور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو جو مسیلمہ ہی سے لڑائی کے لیے جا رہا تھا، راستے میں رکوا لیا اور حکم بھیجا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فوج کا انتظار کرو۔

دراصل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مسیلمہ کی طاقت سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے اس پر حملے کے لیے ایک بڑی فوج کا مرتب ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ آخر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ طلیحہ کی سرکوبی کر کے مدینہ آئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تازہ ہدایات کے ساتھ انہیں مسیلمہ کذاب سے مقابلے کی کمان سونپی اور ساتھ ہی ہدایت کر دی کہ راستے سے حضرت شرحبیل بن حسنہ کے لشکر کو ساتھ ملاتے جائیں، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس حکم کے مطابق حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو ساتھ لیتے ہوئے یمامہ کے نواح میں پہنچے۔

فیصلہ کن معرکہ:

مسیلمہ کے ہاتھوں شہید کیے جانے والے حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ امّ عمارہ بھی اپنے دوسرے بیٹے عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس لشکر کشی میں شریک تھیں۔ لشکر کی آمد کی خبر سن کر مسیلمہ کذاب بنی حنیف کے چالیس ہزار مسلح افراد کے ساتھ عقرباء کے میدان میں صف بندی کر چکا تھا، مسلمانوں کے پہنچتے ہی شدت کی جنگ چھڑ گئی۔ بنی حنیفہ اپنے جھوٹے نبی اور قومی حمیت کی خاطر غیر معمولی جوش و جذبے سے لڑے، مسلمانوں کو اتنی سخت مزاحمت کا پہلے کسی جنگ میں تجربہ نہیں ہوا تھا، کئی نامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگر شہید ہو گئے، مہاجرین کے علمبردار حضرت عبد اللہ بن حفص رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھال لیا، جن کی قرأت کی تعریف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، لڑائی کی شدت دیکھ کر کسی نے ان سے کہا کہ آپ کو اپنی جان کی پرواہ نہیں؟ بولے، جان کی پروا کروں تو مجھ سے برا حافظ قرآن کون ہو گا؟ ان کے آقا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ میں مصروف پیکار تھے اور پورے جوش سے کہہ رہے تھے:

"اے قرآن کے قاریو! قرآن مجید کو اپنی کارکردگی کی زینت بنائے رکھو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حوصلہ دلاتے ہوئے کہا کہ لوگو! دشمن پر وار کرو اور آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ لڑائی کی یہ حالت تھی کہ کبھی مسلمان غالب آتے اور کبھی کفار، ایک بار مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور دشمن انہیں دھکیلتے ہوئے ان کی خیمہ گاہ تک آ پہنچے، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی تو پکار کر کہا اے اللہ! میں مسلمانوں کی طرف

سے تجھ سے معذرت کرتا ہوں، یہ کہہ کر حملہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، حضرت سالم، حضرت زید بن خطاب اور حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی جانیں قربان کر دیں۔

میدان جنگ میں دیر تک مقابلہ جاری رہا، آخر کار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو منظّم کر کے ایک زور دار حملہ کیا اور دشمن کی صفیں الٹ دیں، منکرینِ ختم نبوت سر پر پاؤں رکھ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ میدان جنگ کے کچھ دور، بلند و بالا دیواروں میں گھرا ہوا ایک باغ تھا جسے "حدیقۃ الرحمٰن" کہا جاتا تھا۔ "منکرینِ ختم نبوت" بھاگ کر اس باغ میں مورچہ بند ہو گئے، مسلمان وہاں تک پہنچے تو وہ دروازہ بند کر چکے تھے، اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھائی براء رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھ کر اصرار کیا کہ انہیں اچھال کر باغ میں ڈال دیا جائے تاکہ وہ اندر سے دروازہ کھول دیں، شروع میں مسلمان نہ مانے، مگر ان کے اصرار پر انہیں اندر دھکیل دیا گیا وہ لڑتے بھڑتے دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے، تب تک اسّی (80) سے زائد زخم لگ چکے تھے، اب مسلمان ایک ریلے کی طرح اندر گھسنے لگے۔

دشمنوں نے ان کو روکنے کی جان توڑ کوشش کی، اس کش مکش میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ باغ کے دروازے پر شہید ہو گئے۔ امّ عمارہ رضی اللہ عنہا اور ان کے صاحبزادے عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب کی تلاش میں دشمنوں کو چیرتے ہوئے باغ میں داخل ہونے لگے، اس دوران ایک شخص نے امّ عمارہ کا ہاتھ کاٹ ڈالا جو پہلے ہی تلوار اور نیزوں کے نو (9) زخم کھا چکی تھیں، مگر اس کے باوجود یہ بلند ہمت خاتون آگے بڑھتی چلی گئی۔ بنو حنیفہ کا سالار محکم مرتدین کو حوصلہ دلا رہا تھا، حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ حلق سے پار ہو گیا۔ آخر دشمنوں کا حوصلہ ٹوٹ گیا، مسلمانوں نے انہیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا، دشمن مایوس ہو کر باغ سے فرار ہونے لگے تو مسلمانوں نے تعاقب کیا۔

منکرِ ختم نبوت مسیلمہ کذاب کا قتل:

مسیلمہ کذاب بھی مفرورین کے ساتھ بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ گھات میں تھے، جو غزوہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے عظیم شخص کے قتل کے بدلے بڑی نیکی کے طور پر اس بدترین انسان کو قتل کرنا چاہتے تھے، انہوں نے اپنے روایتی انداز میں ایسا برچھا مارا کہ ملعون گھائل ہو کر وہیں گر پڑا۔ اس لمحے امّ عمّارہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے عبد اللہ بن زید نے تلوار کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا، ادھر امّ عمارہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں پہنچ گئیں، اپنے بیٹے کو ملعون کے خون میں تربتر تلوار صاف کرتے دیکھا تو خوشی میں سجدہ میں گر گئیں۔

(حلیۃ الاولیا: 2/65، م: دار الکتب العلمیہ)

" اس معرکہ ختمِ نبوت میں بارہ سو (1200) سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، جن میں سات سو (700) قرآن مجید کے حافظ و قاری تھے اور بہت سے بدری صحابہ تھے۔ (آئینہ قادیانیت: 1/ 115، ناشر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت)

ارتداد کا استیصال کامل:

گیارہ (11) ہجری کے آخر اور بارہ (12) ہجری کے شروع ہونے سے پہلے یعنی ایک سال سے کم مدت میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ملک عرب کے فتنہ ارتداد پر پورے طور پر غالب آ گئے، محرم گیارہ (11) ہجری میں جزیرۃ العرب مشرکین، مرتدین اور منکرینِ ختمِ نبوت سے بالکل پاک صاف ہو چکا تھا، براعظم عرب کے کسی گوشہ اور کسی حصہ پر شرک و ارتداد کی کوئی سیاہی باقی نہ تھی۔

ایک طرف چند مہینے پہلے کی اس حالت پر غور کریں کہ مدینہ، مکہ اور طائف کے سوا تمام ملک کا مطلع غبار آلود تھا اور اس غبار سے شمشیر و نیزہ و سنان اور کمند و کمان کے طوفان ابلتے ہوئے اور امنڈتے ہوئے نظر آتے تھے، پھر یہ کیفیت تھی کہ پتھر کے موم کی پگھلنے اور فولاد کی رگیں کچے دھاگے کی طرح شکستہ ہونے سے باز نہیں رہ سکتی تھیں، پہاڑوں سے زیادہ ہمتیں دریاؤں کے پانی کی طرح بہ سکتی تھیں اور آسمان کی طرح بلند و وسیع حوصلے تنگ و پست ہو کر تحت الثریٰ کی گم ناموں میں شامل ہو سکتے تھے، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ، خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے

شاگردِ رشید، خاتم النبیین ﷺ کے خلیفہ اوّل نے ٹھیک اپنے مرتبہ کے موافق ہمت و استقلال اور قوت قدسی کا اظہار کیا اور جس کام کو سکندر یونانی، جولیئس سیزر، رومی اور کی خسرو ایرانی مل کر بھی پورا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چند مہینوں میں اس کو بہ حسن وخوبی پورا کر دکھایا۔

عقیدہ ختم نبوت کی حقیقت:

عقیدہ ختم نبوت دین اسلام کا انتہائی بنیادی عقیدہ ہے، جو پورے دین کی بنیاد ہے۔ جس طرح اللہ رب العزت کو ایک ماننا فرض، جو نہ مانے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ کا آخری نبی اور رسول ماننا بھی فرض ہے، جو نہ مانے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ عقیدہ ختم نبوت ایسا بنیادی عقیدہ ہے جس پر سارے دین کی عمارت کھڑی ہے، اس عقیدہ کا حاصل صرف اتنا ہے کہ آدمی دل سے یہ تسلیم کرلے کہ حضور کریم ﷺ کی ذاتِ عالی، اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور نبی ہیں اور حضور ﷺ کی رسالت و نبوت قیامت کی صبح تک کے لیے ہے۔ نبی کریم ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، قرب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہو گا، وہ حضور ﷺ کے امتی بن کر تشریف لائیں گے۔ عقیدہ ختم نبوت کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی اور رسول مانا جائے اور قیامت تک کے لیے انہیں کی نبوت کو جاری مانا جائے، جو اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا وہ کافر ہو گا۔

عقیدہ ختم نبوت کی قرآنی دلیل:

باقی جہاں تک ختم نبوت پر دلائل کی بات ہے یا یہ بات ہے کہ یہ عقیدہ اتنا ضروری کیوں ہے؟ تو اس حوالے سے خوب سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان فرمایا ہے، (مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ) مسلمانو! محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سے سب آخری نبی ہیں۔ (الاحزاب، 40)

حضور ﷺ خاتم النبیین ہیں، یہ بالکل واضح آیت ہے، جس میں حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا ذکر ہے۔ قرآن پاک کی چونکہ بالکل صریح نص موجود ہے، اس کے علاوہ بھی سو آیات ختم نبوت پر واضح طور پر دلالت کرنے والی ہیں (ختم نبوت:1/9، م: ادارۃ المعارف) اب اگر کوئی آدمی حضور ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتا، اللہ کا آخری رسول نہیں مانتا تو وہ قرآن پاک کی آیات کا منکر ہے اور قرآن کا منکر کافر ہوتا، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عقیدہ ختم نبوت پر احادیث سے دلائل:

"210 احادیث موجود ہیں جن میں حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا ثبوت ملتا ہے۔"

(ختم نبوت:1/9، م: ادارۃ المعارف)

ایک روایت میں ہے (اِنَّ الرِّسالَةَ والنُّبُوَّةَ قدِانْقطَعَتْ فلا رَسُوْلَ بَعْدِیْ ولا نَبِیَّ) بے شک رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہیں، اب میرے بعد نہ کوئی نبی آسکتا ہے اور نہ ہی رسول آسکتا ہے۔ (ترمذی 2/500، م: رحمانیہ)

یہ ترمذی شریف کی روایت ہے اور عقیدہ ختم نبوت کے ثبوت کے لیے اس کے الفاظ بالکل واضح ہیں، اسی طرح ابن ماجہ شریف کی روایت ہے، (اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ) میں نبیوں میں سے سب سے آخری نبی ہوں اور تم امتوں میں سے سب سے آخری امت ہو۔

(ابن ماجہ شریف: 2/434، حدیث، 4077، م: رحمانیہ)

ابو داؤد شریف کی حدیث ہے (اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ) میں آخری نبی ہوں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہے۔

(ابو داؤد:2/233،،حدیث425،م:رحمانیہ)

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ میں بھی یہ بات موجود ہے کہ میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(المعجم الکبیر:4/274،حدیث،7500،م:دارالکتب العلمیہ)

مذکورہ بالا اور اس کے علاوہ بے شمار دلائل موجود ہیں جن سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی، اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور آخری نبی ہیں، آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔

صحابہ کرام کا سب سے پہلا اجماع مسئلہ ختم نبوت اور اس کے منکر کے مرتد اور واجب القتل ہونے پر:

مسیلمہ کذاب کا دعویٰ نبوت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر جہاد:

اسلامی تاریخ میں یہ بات درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دعویٰ نبوت کیا اور بڑی جماعت اس کی پیروکار ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلی مہم جہاد جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں کی وہ اس کی جماعت پر تھی، جمہور صحابہ، مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم نے اس کو محض دعویٰ نبوت کی بنا پر کافر سمجھا اور باجماع، صحابہ وتابعین نے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے اور یہی اسلام میں سب سے پہلا اجماع تھا۔ (البدایہ والنہایہ:6/310،م:العلمیہ)

حالاں کہ مسیلمہ کذاب بھی مرزا کذاب کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کا منکر نہ تھا، بلکہ بعینہ مرزا کذاب کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی مدعی تھا۔ الغرض نبوت و قرآن پر ایمان اور نماز روزہ سب ہی کچھ تھا، مگر ختم نبوت کے بدیہی اور قطعی مسئلہ کے انکار اور دعویٰ نبوت کی وجہ سے باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کافر سمجھا گیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، مہاجرین وانصار اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا ایک عظیم الشان لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت میں مسیلمہ کے ساتھ جہاد کے لیے یمامہ کی طرف روانہ کیا۔ جمہور صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی اس پر انکار نہ کیا اور کسی نے نہ کہا کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں، کلمہ گو ہیں قرآن پڑھتے ہیں، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان کو کیسے کافر سمجھ لیا جائے؟ الحاصل بلا خوف و نکیر، یہ آسمان نبوت کے ستارے اور حزب اللہ کا ایک جم غفیر یمامہ کی طرف بڑھا اور دشمنوں کی گردنیں مار کر اور ان کو عبرت ناک شکست دے کر واپس لوٹا۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کتنی بڑی جماعت اس میدان میں آئی تھی، جنہوں نے ایک مسئلہ ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے نہ وقت کی نزاکت کا خیال کیا اور نہ مسلمانوں کی بے سروسامانی کا اور نہ اس جماعت کے اذان، نماز اور تلاوت و اقرارِ نبوت اور تمام اسلامی احکام کے ادا کرنے کا، بلکہ اتنی بڑی جماعت کے خلاف جہاد کرنے کے لیے باجماع واتفاق اٹھ کھڑے ہوئے۔

مرزا قادیانی کذاب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی ڈاکوؤں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیا تھا اور یہ سلسلہ آج تک چل رہا ہے، درمیان میں کئی جھوٹے نبی آئے، لیکن ہمارے قریب زمانے میں آخری دجال مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ یاد رکھیں! ایسے ڈاکو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر حملہ آور ہوں، ایسے لوگوں کو برا بھلا کہنا بھی عبادت اور ان کے لیے سخت الفاظ استعمال کرنا بھی ثواب ہے۔

ہمارے زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی کھڑا ہوا، اس نے 1880ء میں پہلے یہ دعویٰ کیا کہ میں مسیح ہوں، نعوذ باللہ! کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ کشمیر کے اندر مدفون ہیں، ان کی جگہ میں مسیح بن کر آیا ہوں۔ یہ اس کا پہلا دعویٰ تھا جو قرآن کریم کے خلاف

تھا، کیوں کہ ہم سب کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اس جسم کے ساتھ آسمانوں پر زندہ ہیں اور قرب قیامت دوبارہ تشریف لائیں گے، ان کا وصال نہیں ہوا ہے۔ قرآن کریم میں ہے (وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ) حالانکہ نہ انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیا، نہ انہیں سولی دے پائے، بلکہ انہیں اشتباہ ہو گیا تھا۔ (النساء:157)

ہم سب کا ایمان اور عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں، جبکہ مرزا کذاب کا 1880 سے لے کر 1900 تک یہی دعویٰ رہا کہ وہ خود مہدی ہے اور مسیح ہے، اسی طرح دیگر دعوے کرتا رہا۔

مرزا قادیانی کذاب کا دعویٰ نبوت:

پھر 1900 میں اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا، جس وقت اس نے نبوت کا دعویٰ کیا، اسی وقت اس زمانے کے علماء اس کے خلاف کھڑے ہوئے۔ 1908 میں لاہور میں اس کا انتقال ہوا اور یہ بیت الخلاء میں گر کر مرا۔ بعض صاحب کشف بزرگوں نے دیکھا کہ جس قبر میں لیٹا ہوا ہے، اس کا چہرہ خنزیر کا ہے اور یہ آگ کے انگاروں پر ہے۔ اس وقت سے علماء نے آواز اٹھائی اور اس وقت سے لے کر 1974ء تک، پون صدی میں ہزاروں کی تعداد میں علماء طلباء اور مخلص مسلمانوں نے قربانیاں دیں۔ 1974 تک پہنچنے کے لیے گویا کہ انہوں نے خون کا ایک دریا عبور کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب جو دعویٰ کر رہا ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر حملہ ہے، لہذا یہ اور اس کے ہمہ قسم کے پیروکار دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ یہ مسلمانوں کا ملک ہے اس کے اندر ان کو کافر قرار دیا جائے۔

مرزائی قانوناً بھی کافر ہیں اور شرعاً بھی:

پھر اللہ تعالیٰ نے ہم سب پر یہ کرم کیا 7 ستمبر 1974 کو پاکستان دستور ساز اسمبلی سے انہیں کافر قرار دیا، چنانچہ پاکستان کی اسمبلی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اب یہ پاکستان میں غیر مسلم اقلیت کی حیثیت سے رہیں گے، یہ مسلمان نہیں ہیں۔ الحمدللہ! اب پاکستان میں یہ لوگ قانونی طور پر کافر ہیں، جب انہیں کافر قرار دیا گیا تو انہوں نے ریاست کے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا اور اپنے آپ کو اسی طرح مسلمان باور کرواتے رہے، بلکہ اور زور شور سے مسلمانوں کے شعائر استعمال کرنا شروع کر دیے۔ پھر 1984 میں جنرل ضیاء الحق کے دور میں یہ آرڈیننس پاس ہوا کہ جب یہ کافر ہیں تو یہ مسلمانوں کے شعائر اور علامتی چیزیں استعمال نہیں کریں گے، یعنی نہ ہی یہ مسلمانوں والا کلمہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں بلند آواز سے اذان کہنے کی اجازت ہے۔ غرض یہ کہ جتنے بھی مسلمانو والے شعائر ہیں، انہیں وہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھیں! کہ قادیانی لوگ کافر ہونے کے ساتھ ساتھ زندیق بھی ہیں، ایک عام کافر ہوتا ہے اور ایک وہ کافر جو زندیق ہوتا ہے۔

زندیق کسے کہتے ہیں:

زندیق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہے تو کافر، لیکن اپنے آپ کو الگ ملت اور کافر مانتا نہیں ہے، جبکہ عام کافر وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو الگ ملت اور کافر مانتا ہے، جیسے عیسائی، یہودی، ہندو اور دہریے وغیرہ۔ اس لیے زندیق کافر کا حکم دوسرے کافروں کی نسبت سخت ہوتا ہے، شرعی اعتبار سے آپ دوسرے کافروں کے ساتھ معاملات وغیرہ کر سکتے ہیں، ان سے کوئی چیز خرید بھی سکتے ہیں اور انہیں بیچ بھی سکتے ہیں، ان کی شادیوں اور غمیوں میں شرکت بھی کر سکتے ہیں، لیکن قادیانی ایسے کافر ہیں کہ ان کے ساتھ کسی قسم کا لین دین اور ان کی غمی و خوشی میں شرکت جائز نہیں ہے۔

آپ کے پڑوس میں اگر کوئی قادیانی ہے اور وہ بیمار ہے تو اس کی تیمار داری کے لیے جانا جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ صرف کافر ہی نہیں بلکہ زندیق ہیں، لہذا جب تک ان کے اوپر زندیق ہونے کا حکم ہے، اس وقت تک ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں ہے۔

(فتاویٰ حقانیہ: 1/ 391، م: حقانیہ)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: 12/ 373، م: اشاعت)

قرآن مجید کی حفاظت:

جنگ یمامہ میں حفاظ کرام کی اتنی بڑی تعداد شہید ہو جانے سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو شدید تشویش لاحق ہوئی، اس وقت تک قرآن مجید لکھ کر محفوظ کرنے کا طرز عام نہیں تھا، زیادہ تر زبانی یاد کرنے کا رواج تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں حفاظ کے ختم ہو جانے سے قرآن ضائع نہ ہو جائے، چنانچہ انہوں نے قرآن کریم کو کتابی شکل میں جمع کرنے کا ارادہ کیا، پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنی رائے پیش کی، دونوں حضرات نے اس موضوع پر کھل کر بحث کی اور آخر طے ہو گیا کہ یہ کام ناگزیر ہے۔ انصار میں سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ذمے یہ کام لگایا گیا جو کہ کاتبِ وحی رہے تھے اور نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں علم و فضل کے لحاظ سے ممتاز تھے، انہوں نے دن رات ایک کر کے یہ عظیم مہم انجام دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک چونکہ وحی نازل ہو رہی تھی لہذا ایک مکمل مصحف ترتیب دینا ممکن نہ تھا، کیوں کہ شرعاً مصحف کو ترتیب نزولی کی بجائے جبرائیل علیہ السلام کی بتائی ہوئی ترتیب پر مرتب کرنا تھا اور یہ ترتیب آخری سورت اور آخری آیت کے نزول کے بعد ہی مکمل علم میں آسکتی تھی۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کی مختلف آیات اور سورتیں چمڑے کے پارچوں (ٹکڑوں) کھجور کی چھالوں اور شانے (کندھے) کی چوڑی ہڈیوں پر مختلف صحابہ کے پاس لکھی ہوئی تھیں، زبانی حفظ کا رواج بہت عام تھا اور حافظ حضرات ترتیب نزولی کی بجائے ترتیب لوحِ محفوظ کے مطابق قرآن پاک سناتے تھے، انہیں علم ہوتا تھا کہ کون سی آیت یا سورت پہلے ہے اور کون سی بعد میں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان تمام تحریری وسائل اور حافظوں کی یادداشت کو بروئے کار لا کر ایک مکمل محفوظ نسخہ تیار کیا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس رکھ دیا گیا، یہی نسخہ بعد میں خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور پھر ان کی شہادت کے بعد ان کی صاحبزادی امّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جب یہ شکایت ملی کہ دور دراز کے علاقوں میں لوگ قرآن مجید کی قرأت میں اختلاف کا شکار ہو رہے ہیں تو اس نسخے کو دوبارہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا گیا اور انہوں نے قرآن مجید کے ماہر صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر اس اصل نسخے سے متعدد نسخے تیار کر کے پورے عالمِ اسلام میں ان کی اشاعت کرائی۔

دورِ نبوی، دورِ صدیقی، اور دورِ عثمانی کے جمعِ قرآن میں فرق:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے ان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، اور کوئی ہڈی پر لکھی ہوئی تھی، زیادہ مکمل نسخے نہیں تھے، کسی صحابی کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی کے پاس دس سورتیں اور کسی کے پاس چند آیات، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں زبردست احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں ترتیب فرمایا، لیکن ہر سورت علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی تھی، اس لیے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا، اصطلاح میں اس نسخے کو "اُم" کہا جاتا ہے، اس نسخہ میں آیاتِ قرآنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب تھیں، لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں، ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، اس نسخے میں ساتوں حروف جمع تھے، یہ نسخہ خطِّ حیری میں لکھا گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ان تمام سورتوں کو جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں الگ الگ لکھی ہوئی تھیں ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا گیا اور قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں، اس لیے نہ ان پر نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات دی گئیں، تاکہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جا سکے۔ (علوم القرآن:187، م: دارالعلوم کراچی)

بیرونی جنگیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو تمام ملک عرب میں بد امنی اور ہلچل پیدا ہوئی تو ایک طرف ایرانیوں نے اور دوسری طرف رومیوں نے ان خبروں کو بڑے اطمینان و مسرت کے ساتھ سنا، دنیا میں پہلی ہی مرتبہ تمام براعظم عرب نے ایک سلطنت اور ایک متحد طاقت کی شکل میں اپنے آپ کو جلوہ افروز کیا تھا، اس لیے رومیوں اور ایرانیوں کے درباروں نے اس ملک کو غور و التفات اور فکر و تردد کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ یہ دونوں حکومتیں الگ الگ حکومتِ اسلام کو مٹا دینے اور فنا کر دینے پر آمادہ تھیں، وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے ساتھ ہی ارتداد کی خبروں نے ان دونوں حکومتوں کو بتا دیا تھا کہ ملک عرب کے پامال کرنے اور آئندہ خطرات کو مٹا دینے کا یہ بہترین وقت ہے، چنانچہ ایک طرف ہرقل کی فوجیں شام میں اور دوسری طرف ایران کی فوجیں عراق میں جمع ہونے لگیں۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زرف نگاہی، موقع شناسی اور مستعدی کا اس طرح بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے فتنہ ارتداد کو جلد سے جلد مٹایا اور اس فتنہ کو فرو کرنے کے بعد ایک دن بھی ضائع کیے بغیر فوراً رومیوں اور ایرانیوں کے روکنے اور مدافعت کرنے کے لیے تمام ملک عرب کو آمادہ کر دیا، اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چند روز اور فتنہ ارتداد کو مٹانے پر قادر نہ ہوتے یا فتنہ ارتداد کے مٹ جانے کے بعد چند روز تساہل اور تامل میں گزار دیتے تو اسلامی دارالخلافت رومیوں یا ایرانیوں کے محاصرہ میں آکر مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات تنگ ہو چکا ہوتا، حیرت ہوتی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیسا سخت و اہم کام کیسے نازک و محدود وقت میں کس احتیاط اور کس خوبی کے ساتھ انجام دیا اور اسلام کی روحانی و مادی حالت اور معنوی و ظاہری شان کو کس عظمت و جرأت کے ساتھ قائم رکھا۔

مہم عراق:

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک چھوٹا سا دستہ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرداری میں عراق کی جانب روانہ کر دیا اور مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عراق میں پہنچ کر کسی جگہ بھی جم کر لڑائی کی تمہید نہ کرنا، بلکہ چپکے سے چھاپے مارتے رہنا اور اور عراق کے رئیسوں کو ڈراتے رہنا، اس سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مدعا یہ تھا کہ جب تک ملک عرب کا فتنہ ارتداد ہے اس وقت تک ایرانیوں کو ملک عرب پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہو سکے۔

جب نجد و یمامہ کے حالات قابو میں آگئے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو جو نجد میں مقیم تھے لکھا کہ ان مسلمانوں کو جو مرتد نہیں ہوئے اور اسلام پر بدستور قائم ہیں اپنے ہمراہ لے کر بالائی عراق پر حملہ آور ہوں اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو یمامہ میں مقیم تھے لکھا کہ اپنا لشکر لیے ہوئے عراق کی طرف متوجہ ہوں، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پہنچنے کے ساتھ ہی جنگ کی صورت بدل دی اور بانقیا، کسکر وغیرہ فتح کرتے ہوئے شاہانِ عجم کی حدود میں داخل ہو گئے، یہاں شاہ جپان سے مقابلہ کیا اور اس کو شکست دی، پھر حیرہ کے بادشاہ نعمان سے آزما ہوئے۔ نعمان ہزیمت اٹھا کر مدائن بھاگ گیا، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خورلق پہنچے، لیکن اہلِ خورلق نے مصلحت اندیشی کو راہ دے کر ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم خراج دے کر صلح کر لی، اس طرح حیرہ کا پورہ علاقہ زیر نگیں ہو گیا۔ (سیر الصحابہ: 1/75، 76، م، اسلامی کتب خانہ)

حملہ شام:

مہم عراق کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسری طرف سرحدِ شام پر جنگ چھڑ گئی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے 13ھ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لینے کے بعد شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا انتظام کیا اور ہر ایک علاقہ کے لیے علیحدہ فوج مقرر کر دی، چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ حمص پر، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ دمشق پر، شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اردن پر اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فلسطین پر مامور ہوئے، مجاہدین کی مجموعی تعداد 27000 تھی۔ ان سپہ سالاروں کو سرحد سے نکلنے کے بعد قدم قدم پر رومی جتھے ملے جن کو قیصر نے پہلے ہی سے الگ الگ ایک ایک سردار کے مقابلہ میں

متعین کر دیا تھا، یہ دیکھ کر افسرانِ اسلام نے اپنی کل فوجوں کو ایک جگہ جمع کر لیا اور بارگاہِ خلافت کو لشکر کی غیر معمولی کثرت کی اطلاع دے کر مزید کمک کے لیے لکھا، چونکہ اس وقت دارالخلافت میں کوئی فوج موجود نہ تھی اس لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نہایت انتشار ہوا، اور اسی وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ لکھا کہ مہم عراق کی باگ مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ دے کر شام کی طرف روانہ ہو جائیں، یہ فرمان پہنچتے ہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک جمعیت کے ساتھ شامی رزم گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو راستے میں بہت چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں، چنانچہ جب حیرہ کے علاقے سے روانہ ہو کر عین التمر پہنچے تو وہاں خود کسریٰ کی ایک فوج سدّ راہ ہوئی، عقبہ بن ہلال التمری اس فوج کا سپہ سالار تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عقبہ کو قتل کر کے اس کی فوج کو ہزیمت دی، وہاں سے آگے بڑھے تو ہزیل بن عمران کی زیر سیادت بنی تغلب کی ایک جماعت نے مبارز طلبی کی، ہزیل مارا گیا اور اس کی جماعت کے بہت لوگ قید کر کے مدینہ روانہ کیے گئے، پھر یہاں سے انبار پہنچے اور انبار سے صحرا طے کر کے تدمر میں خیمہ زن ہوئے، اہل تدمر نے بھی پہلے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا، پھر مجبور ہو کر صلح کر لی، تدمر سے گزر کر حیران آئے، یہاں بھی سخت جنگ پیش آئی، اسے فتح کر کے شام کی اسلامی مہم میں مل گئے اور متحدہ قوت سے بصریٰ فحل اور اجنادین کو مسخر کر لیا، اجنادین کی جنگ نہایت شدید تھی، اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوے، لیکن انجام کار میدان مسلمانوں ہی کے ہاتھ رہا اور جمادی الاول 13ھ سے اجنادین ہمیشہ کے لیے اسلام کے زیر نگین ہو گیا۔

(سیر الصحابہ: 1/72، م، اسلامی کتب خانہ)

وفاتِ صدیقی:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ابھی صرف سوا دو برس ہوئے تھے اور قلیل عرصہ میں مدعیان نبوت، مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد فتوحات کی ابتداء ہی ہوئی تھی کہ پیام اجل پہنچ گیا۔ 13ھ جمادی الثانی کے شروع میں آپ رضی اللہ عنہ بخار کے عارضہ میں مبتلا ہوئے، پندرہ روز مسلسل شدت کے ساتھ بخار رہا، مرض بڑھتا گیا اور افاقہ سے مایوسی ہوتی گئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر جانشین کے متعلق مشورہ دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دیکھنا کوئی اور چیز تو نہیں رہ گئی، اگر ہو تو اس کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دینا اور فرمایا جو کپڑا بدن پر ہے اس کو دھو کر دوسرے کپڑوں کے ساتھ کفن دے دینا، اس کے بعد پوچھا آج دن کون سا ہے؟ لوگوں نے جوب دیا سوموار، پھر پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا "سوموار کو" فرمایا پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں، چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی، یعنی سوموار کا دن ختم کر کے منگل کی رات کو تریسٹھ برس کی عمر میں 13ھ 22 جمادی الثانی کو خالقِ حقیقی سے جاملے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔ اس طرح سرورِ کائنات کا رفیقِ زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کے لیے جنت میں پہنچ گیا۔

(طبقات ابنِ سعد: 3/136، م: العربیہ)

مراجع و مصادر

نمبر شمار	کتاب	مصنف	ناشر
1	آسان ترجمہ	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ	معارف القرآن کراچی
2	الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ	رحمانیہ
3	الصحیح لمسلم	امام ابو الحسن مسلم بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ	رحمانیہ
4	سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث رحمۃ اللہ علیہ	رحمانیہ
5	جامع الترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمۃ اللہ علیہ	رحمانیہ
6	سنن ابن ماجہ	ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ	رحمانیہ
7	المعجم الکبیر	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمۃ اللہ علیہ	دار الکتب العلمیہ
8	سیر الصحابہ اردو	الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ	اسلامی کتب خانہ
9	تاریخ اسلام	مؤرخِ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی	مکتبۃ الحسن
10	تاریخ امت مسلمہ	مؤرخِ اسلام مولانا محمد اسماعیل ریحان حفظہ اللہ	المنہل
11	آئینہ قادیانیت	مناظرِ اسلام حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب حفظہ اللہ	عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
12	ختمِ نبوت	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	ادارۃ المعارف
13	فتاویٰ دار العلوم دیوبند	حضرت مولانا عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ	اشاعت
14	فتاویٰ حقانیہ	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ	حقانیہ
15	فتاویٰ ختمِ نبوت	حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ	عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
16	الطبقات الکبریٰ	محمد بن سعد منیع الزہری	العمریہ
17	حلیۃ الاولیاء	ابو نعیم الاصبہانی	دار الکتب العلمیہ